بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

جماعت اسلامی پاکستان بلکہ پوری دنیائے اسلام حال ہی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جس سچے غلام کی خدمات سے محروم ہوئی ہے، اس کی زندگی ملت کی بیش قیمت متاع تھی۔ اس کی وفات سے دینی حلقوں میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کے پُر ہونے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی الا یہ کہ خالقِ حقیقی اسے اپنے خاص فضل سے پُر کر دے۔ چوہدری غلام محمد صاحب کوئی بہت بڑے عالم، کوئی شعلہ بیان مقرر، کوئی عظیم ادیب نہ تھے۔ پھر دنیوی مال و متاع اور مرتبہ کے اعتبار سے بھی وہ کسی ایسے بلند مقام پر فائز نہ تھے کہ وہ اہلِ دنیا کی توجہ کا مرکز بنتے۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کے ساتھ سچی وابستگی اور اس کی سربلندی کے لیے گہری لگن عطا کی تھی جس کے باعث نہ صرف جماعت اسلامی میں بلکہ جماعت سے باہر کے حلقوں میں بھی ان کو بے حد مقبولیت حاصل تھی۔ جو شخص بھی ان سے متعارف ہوا وہ ان کی پُرکشش شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور جو فرد بھی جتنا ان کے قریب آیا وہ اسی قدر ان کا گرویدہ ہو گیا۔ چوہدری صاحب مرحوم فی الحقیقت ایک سعیِ مجسم تھے۔ وہ جب تحریکِ اسلامی سے وابستہ ہوئے، اس وقت سے لے کر زندگی کے آخری سانس تک اسلام کی خدمت اور سربلندی کے لیے ہمہ تن مصروف رہے۔ اس مقدس کام میں ان کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ دنیا کا ہر دوسرا کام ان کی نظر میں بالکل بے وزن، غیر اہم بلکہ ہیچ ہو کر رہ گیا تھا۔ انہوں نے دل و دماغ کی ساری قوتیں بلکہ جسم و جان کی ساری توانائیاں پوری یکسوئی، اخلاص اور تدبر کے ساتھ خدا کی راہ میں صرف کیں اور اس معاملے میں کوئی ڈر یا خوف، کوئی دنیوی لالچ یا ترغیب و تحریص، کوئی مالی پریشانی یا گھریلو الجھن حتیٰ کہ ان کی ہر آن گرتی ہوئی صحت بھی ان کی راہ نہ روک سکی۔ انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ انسان اپنی زندگی کا

مالک نہیں بلکہ امین ہے اور اسے ایک دیانتدار امین کی طرح اس کو خدا کی راہ میں صرف کرنا چاہیے۔ خدا کا یہ وفادار بندہ عرصہ دراز سے بیماری کے نرغے میں تھا، مگر اس نے کبھی اس کی پروا نہ کی۔ اس میں جب تک سکت رہی وہ ملک کے اندر، باہر اسلام کی سربلندی کے لیے مسلسل گھومتا پھرتا رہا۔ جماعت کے حلقۂ کراچی کو اس نے اپنے تدبّر، حسن انتظام اور خلوص سے سرگرم عمل کیا۔ بیرونی ممالک میں متعدد مقامات پر تبلیغی مراکز قائم کیے۔ عربوں کو ان کی دینی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ یورپ میں آباد مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے مُضر اثرات سے بچانے اور ان کی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف منصوبے تیار کیے۔ دنیا کے جس خطّے میں بھی مسلمان مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں مثلاً کشمیر، فلسطین، اریٹیریا اور افریقہ کی مسلم ریاستیں، ان کے مسائل اور ان کی حالتِ زار سے دنیا کو آگاہ کیا اور انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔

بیماری نے جب چوہدری صاحب سے چلنے پھرنے کی سکت بالکل سلب کر لی تو بستر پر لیٹے لیٹے بھی وہ اس مقدس مشن کی تکمیل کے لیے کوشاں رہے۔ ان کی صحت کو دیکھتے ہوئے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ شاید زیادہ دیر ہمارے درمیان نہ رہیں مگر ان کے بلند عزائم، ان کی جماعتی اور دینی سرگرمیوں، بیماری کی تکالیف سے بے پروائی اور موت سے بے خوفی کو دیکھ کر ہمارے سارے خدشات دُور ہو جاتے تھے۔ جس ولولے اور شوق کے ساتھ وہ اپنے خالقِ حقیقی سے ملے اس کے تصور سے اُس بہادر اور نڈر مسلمان سپاہی کا تصور سامنے آجاتا ہے جو شوقِ شہادت میں کفر کی یلغار کا بڑی پامردی سے مقابلہ کر رہا ہو، پھر اس کے اعضاء ایک ایک کر کے کٹنے لگیں تو وہ باقی ماندہ اعضاء سے ہی دشمن کے مقابلے میں برسرِ پیکار رہے اور جب اس کی زبان اور دوسرے اعضاء بھی کاٹ دیے جائیں تو وہ آخری وقت میں انگشتِ شہادت کو اٹھا کر خدا کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کی شہادت دے اور زبانِ حال سے خلقِ خدا کو کہے، گواہ رہو، مَیں نے اپنا فرض حتی المقدور ادا کرنے کی کوشش کی، اب اس کام کی تکمیل تمہارے ذمّے ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔

دنیا کی ہر تحریک اپنے علمبرداروں کے اندر ایک خاص طرز کا مزاج پیدا کرتی ہے۔ اسلام نے انسانوں کے اندر جو مزاج پیدا کیا ہے، تحمّل و بردباری، خدا ترسی و احساسِ ذمہ داری، حق و انصاف کی حمایت، امن پسندی، عفت و پاکدامنی اور انسانی جان اور عزت و آبرو کا احترام اس کے طبعی خواص ہیں۔ اس کے مقابلے میں لادینی تحریکات، سرمایہ داری، اشتراکیت اور جارحانہ قوم پرستی نے لوگوں کے ذہنوں کو ہمیشہ لوٹ کھسوٹ، تشدد اور سازش کے لیے تیار کیا ہے۔ ان لادینی نظریات کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کی وجہ سے پورا ملک بڑی سرعت کے ساتھ تشدّد کی لپیٹ میں آ رہا ہے اور عوام خصوصاً نوجوان اس نہج پر سوچنے لگے ہیں کہ دنیا کا کوئی مسئلہ معقولیت، ثابت قدمی اور افہام و تفہیم سے حل نہیں ہو سکتا، اسے حل کرنے کے لیے لازمی طور پر اندھی بہری قوت کا استعمال ہی ضروری ہے۔ یہ اندازِ فکر انسانی نقطۂ نظر سے جس قدر تباہ کن ہے اس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ انسان کا اجتماعی بقا خود اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ نسلِ انسانی کو بنیادی طور پر جن صفات سے متصف کیا گیا ہے ان میں محبت، باہمی تعاون، رحمدلی، امن پسندی اور ایک دوسرے کے لیے جذبۂ اخوت و خیر خواہی سب سے اہم صفات ہیں۔ اگر انسان ان صفات سے محروم ہو جائے تو اس کے لیے کسی معاشرے کے اندر رہنا بالکل ناممکن ہو جاتا ہے۔ جو لوگ آج تشدّد کے ذریعے ملک کے امن کو غارت کر کے اس کے مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں انہیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ تشدد کی جس آگ کو بھڑکا کر اپنے مخالفین کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اس کے شعلوں کی لپیٹ سے وہ خود بھی کسی طرح بچ نہ سکیں گے۔ جس انسان کو ایک مرتبہ انسانی خون کی چاٹ پڑ جائے وہ اسے مشکل ہی سے چھوڑ سکتا ہے اور اگر اُسے چاٹنے کے لیے دشمن کا خون نہ ملے تو پھر وہ دوستوں کے خون سے لذت حاصل کرتا ہے۔ تاریخ کے بے شمار اوراق اس قسم کے عاقبت نااندیش رہنماؤں کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جنہوں نے اپنے مخالفین کو نیچا دکھانے کے لیے انسانوں کے ایک طبقے کے اندر تشدّد کے رجحانات کو اُبھارا مگر بالآخر وہ خود بھی اسی جنون کا شکار ہوئے۔

جو لوگ تشدّد کو ہر دکھ کی دوا اور فتح و کامرانی کا مؤثر ہتھیار سمجھتے ہیں انہیں آگ لگانے سے پیشتر اس کے انجام پر پوری طرح غور کر لینا چاہیے اور اس امر کا اچھی طرح جائزہ لے لینا چاہیے کہ کیا وہ اس کے

ذریعے اپنے کسی تعمیری منصوبے کی تکمیل کر سکیں گے ؟ محض آگ لگا دینا اور انسانوں کو انسانوں سے لڑا دینا تو کوئی مفید کام نہیں ہے ۔ انسان کو کسی ضابطۂ اخلاق کا پابند بنانا بڑا جان جوکھوں کا کام ہے اور اس کے لیے بڑی لمبی صبر آزما محنت اور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے ، مگر اس کے جذبات کو مشتعل کر کے اسے درندوں کی سطح پر لے آنا کوئی مشکل کام نہیں ۔ سوچنا یہ چاہیے کہ جب انسان درندہ بن جائے تو اس سے کسی انسانی معاشرے کی تعمیر میں آخر کیا خدمت لی جا سکتی ہے "

اسلام نے انسانیت پر جو بے شمار احسانات کیے ہیں ان میں ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس نے انسان کے اندر علاقائی تعصبات ، نسلی اور لسانی امتیازات اور رنگ اور وطن کے اختلافات مٹا کر عقیدے کی بنیاد پر انسان اور انسان کے مابین اخوت کا رشتہ اُستوار کیا ۔ پاکستان کا وجود اسلام کے اِس معجزانہ کارنامے کی شہادت فراہم کرتا ہے ۔ مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والوں ، مختلف بولیاں بولنے والوں اور مختلف علاقوں کے رہنے والوں نے رنگ ، نسل اور زبان کے اختلافات کو یکسر نظر انداز کر کے اور علاقائی مفادات کو ٹھکرا کر یہ دعوی کیا کہ وہ توحید و رسالت کے اقرار کی بنا پر ایک ملت ہیں اس لیے انہیں ایک الگ خطۂ ارضی ملنا چاہیے جہاں وہ اسلام کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل کر سکیں اسی کے نتیجے میں یہ مملکت وجود میں آئی ۔ اب جو شخص علاقائی تعصبات کو اُبھارتا اور پاکستان کے وسیع تر مفادات کے بجائے کسی مخصوص علاقے کے مفادات کی آڑ میں اختلافات کو ہوا دیتا ہے وہ درحقیقت پاکستان کی بنیاد پر تیشہ چلاتا ہے ۔ اگر ہمیں علاقائی تعصّبات کو پال کر ایک دوسرے سے الگ ہونا بلکہ باہم دست و گریباں ہو جانا تھا تو پاکستان کے قیام اور اس مقصد کے حصول کے لیے آگ اور خون کے سمندر سے گزرنے کی آخر ضرورت کیا تھی ؟ ان تعصبات کو بڑی آسانی کے ساتھ متحدہ ہندوستان میں پالا جا سکتا تھا ۔ اور ان مفادات کے لیے بغیر کسی دقت کے وہاں بھی جھگڑے کھڑے کیے جا سکتے تھے ۔ کیا لاکھوں بے گناہ انسانوں کا خون ، لاتعداد عفت مآب بیٹیوں کی عصمت کی بربادی اور بھارت میں رہنے والے کروڑوں مسلمانوں کی مظلومیت اور ان کے رُوح فرسا مصائب اِن علاقائی رہنماؤں کی نظر میں محض کھیل تماشا

کی حیثیت رکھتے تھے ؟ ہمیں ملّی نقطۂ نظر سے سوچنے کے بجائے علاقائی مفادات کے تحت ہی سوچنا ہے تو پھر مال و جان کا یہ عظیم زیاں کس لیے کیا گیا ؟ آخر غور کیجیے کہ ہماری ان مجنونانہ حرکات سے ان روحوں پر کیا گزرتی ہو گی جنہیں تقسیمِ ملک اور اس کے بعد محض مسلمان اور تحریکِ پاکستان کا حامی ہونے کی وجہ سے ناقابلِ بیان مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔

ہم علاقائی مفادات کے مخالف نہیں بلکہ علاقائی تعصبات کے دشمن ہیں۔ ہم ظلم و ناانصافی کی ہر صورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس بات کے دل و جان سے قائل ہیں کہ پاکستان کے ہر علاقے اور ہر طبقے کو اس کے جائز حقوق ملیں اور اُن کے ساتھ جو بے انصافیاں ماضی میں ہوئی ہیں ان کا پوری طرح تدارک ہو۔ مگر ہم اس بات کو بالکل غلط بلکہ تباہ کُن سمجھتے ہیں کہ علاقائی مفادات کی آڑ میں علاقائی تعصبات کو ہوا دی جائے اور ان عصبیتوں کو اُبھارا جائے جنہیں اسلام دنیا سے مٹانے آیا ہے۔ ہم اس چیز کو بھی منطقی اعتبار سے بالکل غلط سمجھتے ہیں کہ مختلف علاقوں کے مفادات پاکستان کے حصے بخرے کرنے ہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک پاکستان کی حیثیت جسم کی سی ہے اور اس کے اندر موجود علاقے اس کے مختلف اعضاء و جوارح ہیں۔ ہر عضو جسم سے پوری طرح پیوستہ رہ کر ہی مفید اور کارآمد ہو سکتا اور اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے سکتا ہے۔ اگر اس کا تعلق جسم سے ٹوٹ جائے تو وہ نہ صرف سراسر بیکار ہو جاتا ہے بلکہ تعفن کا شکار ہو کر مضرت رساں بن جاتا ہے۔ آخر یہ کیونکر فرض کر لیا گیا ہے کہ جب تک پاکستان کے حصے بخرے نہ ہو جائیں اس وقت تک اس کے مختلف حصوں کو اپنے حقوق حاصل نہ ہو سکیں گے۔ دنیا میں اتحاد و اتفاق ہی قوت و طاقت کا سرچشمہ ہے، مگر ہمارے ہاں بعض مفاد پرست انتشار میں قوم کی فلاح ڈھونڈ رہے ہیں۔ اگر ملک میں ایک ایسی نمائندہ حکومت بن جائے جو اسلامی تعلیمات کے نفاذ کے لیے کوشاں ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ تمام علاقے ایک دوسرے سے پوری طرح متحد رہ کر ایک دوسرے سے قوت و طاقت حاصل نہ کریں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کی یہ ایک عجیب و غریب عادت ہے کہ وہ خود جو چاہے کہتے رہیں لیکن اگر کوئی دوسرا کوئی معقول سے معقول بات بھی کرے تو وہ فوراً یہ دہائی دینا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھیے یہ لوگ ملک میں انتشار پھیلا رہے ہیں۔ ایک بالکل تازہ واقعہ سے آپ اس ذہنیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جماعت اسلامی پاکستان نے اپنے منشور میں علاوہ اور بہت سی باتوں کے ایک یہ بات بھی بیان کی تھی کہ جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کی نبوت کے قائل ہیں اُن کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے گا۔ اِس نشتر کا چبھنا تھا کہ اس حلقے نے پورے ملک میں طوفان اٹھا دیا اور اس طرح واویلا کرنا شروع کیا کہ گویا آسمان ان پر گرنے والا ہے۔ پریس میں اس موضوع کو اچھالا گیا۔ دوسرے بے دین طبقوں کے ساتھ مل کر جماعت اسلامی کو جی بھر کر گالیاں دی گئیں۔ جماعت کی اِس "جسارت" کو اربابِ اقتدار کے سامنے اس انداز سے پیش کیا گیا کہ یہ بات ملک کے لیے عظیم خطرہ ہے۔ لیکن رب العزت کی شانِ کریمی ملاحظہ ہو کہ جماعت اسلامی کی جس بات سے یہ لوگ اتنے برافروختہ ہوئے ہیں اس کا اظہار ان کی اپنی زبان اور قلم سے اکثر اوقات ہوتا رہتا ہے۔ یہ لوگ درحقیقت اپنے آپ کو اُمّتِ مُسلمہ سے الگ اُمّت سمجھتے ہیں اور اس اُمّت کے بارے میں وہ وہی جذبات و احساسات رکھتے ہیں جو ایک غیر مسلم قوم رکھتی ہے۔ آپ ۱۰ دسمبر ۱۹۶۹ء کے الفضل کا پہلا صفحہ ملاحظہ فرمائیں اور ذرا اس عبارت پر غور کریں:

> "اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ احمدیت دنیا کے دُور دراز کناروں تک پہنچے گی اور ایک وقت آئے گا کہ احمدیوں کی اکثریت ہو گی اور باقی مسلمان اقلیت بن جائیں گے۔"

ہم اس اقتباس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ یہ عبارت اتنی واضح ہے کہ اسے ہر شخص اس کے پُورے مضمرات کے ساتھ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا اس گروہ کو اس امر کی پُوری آزادی ہے کہ وہ جو چاہے کہتا رہے اور اس پر قطعاً کوئی گرفت نہ کی جائے اور اگر ہم کوئی بات کہہ دیں تو وہ قابلِ گرفت ہو؟ کیا ہم وہی بات نہیں کہہ رہے ہیں جس کا اظہار خود ان کی اپنی زبان سے

وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے؟ وہ اگر مسلمانوں کو اقلیت بنانے کے خواب دیکھیں اور اسے اپنی صداقت کا نشان ٹھیرائیں تو یہ بات کسی طرح بھی اشتعال انگیز نہیں، لیکن اگر مسلمان ان کی اسی خواہش کو سامنے رکھ کر ان سے یہ کہیں کہ وہ امتِ مسلمہ سے الگ ایک اقلیت ہیں تو اس معقول تجویز کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا جاتے۔ اپنے اِس موقف پر انہیں خود سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

اس وقت پورے ملک میں مارشل لا نافذ ہے مگر اس کے باوجود یہاں قتل و غارت، ڈاکہ زنی، اغوا اور اسی نوعیت کے دوسرے بیسیوں جرائم میں بڑی سرعت کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اور سماج دشمن عناصر بڑی دلیری کے ساتھ اور قانون سے قطعاً بے خوف ہو کر انتہائی سنگین قسم کی وارداتیں کر رہے ہیں۔ یہ صورتِ حال سخت تشویشناک ہے۔ اگر کسی معاشرے کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ حکومت کی انتظامی مشینری اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت نہیں کر سکتی اور ملک کا قانون اس معاملے میں بے بس ہے تو قوم کے اندر مایوسی پیدا ہو جاتی ہے جو قومی نقطۂ نظر سے ایک نہایت خوفناک مرض ہے۔ جب ایک فرد مایوسی کے عالم میں تعمیری اندازِ فکر سے محروم ہو کر اپنی زندگی کو بے دریغ کسی خطرناک داؤ پر لگا دیتا ہے تو ایک مایوس معاشرے سے یہ امید کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ اس حالت میں مبتلا ہو کر انارکی کے راستے پر جانے سے بچا رہ جائے گا۔ لہٰذا اس وقت اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ قوم کے اندر مایوسی جیسے موذی مرض کو مزید سرایت کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ اس غرض کے لیے جہاں سماج دشمن عناصر کا بڑی سختی کے ساتھ اور بلا رو رعایت احتساب ضروری ہے، وہاں اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ حکومت مظلوموں کی دادرسی کا کوئی ایسا انتظام کرے جو سہل اور سادہ ہونے کے علاوہ موثر بھی ہو تاکہ عوام کے اندر پھر سے یہ احساس پیدا ہو کہ حکومت ان سے اور ان کے مصائب سے غافل نہیں ہے بلکہ انہیں دُور کرنے کے لیے سچے دل سے فکرمند ہے۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ یہاں مخلص ایماندار، محنتی اور فرض شناس اہل کاروں کی دن بدن کمی ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن ابھی ان کا قحط نہیں ہوا۔ حکومت اپنی انتظامی مشینری میں سے مستعد اور دیانتدار افسروں کی ایک معقول تعداد منتخب کر کے احتساب کا ایک ایسا مؤثر نظام قائم کر سکتی ہے جس سے ظلم کی روک تھام کے لیے خاطر خواہ کام لیا جا سکتا ہے۔